تمسکات میں سرمایہ کاری اور اس کی شرعی حیثیت

(تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

Investment in Securities and Sharī'ah view

(A descriptive and analytical study)

ڈاکٹر محمد الیاس *

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی **

ABSTRACT

Islam is a complete code of life which provides guidance in political, social and economic affairs. Economics deals with very importnt sphere of human life that involves struggle for survival. This struggle is always appreciated because Allah Almighty Himself motivates for it. The basic aim of this is to eradicate poverty and huger and to bring happiness and satisfaction in society but the condition is that all the economic activities should be done with within the limits of sharia. Otherwise the efforts of human beings in this world as well as hereafter will never be successful.

In contemporary economic trends, investment in securities is well known and popular. Government and private institutions issue bonds, shares, debentures etc to provide economic security to the people but in various types of sceurities Sharī'ah laws are not taken care of. Where, for a Muslim, injunctions of Sharī'ah are everything. There are tidings of rewards on obeying these injunctions and warning of punishment on their violation boath in this world and hereafter.

Economic experts suggest to invest but People remain uncertain in these schemes. Regarding this objective, in this article few types of securities (Shares, Debentures and Prize Bonds) have been discussed in Sharī'ah perspectives and prize bonds were given special attention because of difference of openion of scholars about it. Some alternate solutions which may provide an insight into Islamic fiscal monetary system have been provided at the end.

Keywords: *Economic activities, Sharī'ah, Shares, Debentuers, Prize bonds.*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ اصول الدین ،بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

** لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

انسان جب سے اس دنیا میں آیا ہے،ضروریات زندگی سے اس کا واسطہ پڑا ہے جن کی تکمیل کیلئے اسے روپے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور آج کی جدید دنیا میں جہاں تمدن ترقی کی بلندیوں پر ہے،اچھے خاصے مال ودولت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ روٹی،کپڑے اور مکان کے بعد اچھی تعلیم اور صحت کی عمدہ سہولیات سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکے۔اس ضرورت کے پیش نظر ہر انسان اپنی طاقت بشری کے مطابق صبح سے شام تک تگ ودو کرتا ہے جو کہ بالکل بھی بری نہیں بشرطیکہ اس ذوق اور مزاج کے مطابق ہو جو کہ قرآن وسنت کی وساطت سے ہر مسلمان کو ملا ہے وگرنہ کم ازکم اس دائرہ شریعت میں ہو جس کی بنیاد قرآن وسنت کے سنہری اصولوں پر ہے۔تسخیر کائنات اور اس پر مبنی جادوئی ترقی نے انسانی زندگی میں ایک انقلاب برپا کردیا ہے جس سے متحیر العقول تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔میدان معیشت بھی ان سے خالی نہیں ہے۔تجارت وکاروبار کے نت نئے طریقے ایجاد ہوئے ہیں جن کا گزشتہ زمانوں میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ان میں سے ایک طریقہ تمسکات پر مبنی معاشی سرگرمیوں کا بھی ہے۔تمسکات کا عربی مترادف الاوراق المالیہ الاستثماریہ ہے۔دور حاضر میں اس سے مراد انویسٹمنٹ سیکورٹیز ہیں۔ماہرین معاشیات ان کی تعریف کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

> "A general term standing for a financial instrument.For example a stock is security, a bond is security, and so is a T-bill.In sofar as security means financial assets that are essentialy money".(1)

ترجمہ: یہ زری آلات (تبادلہ) کی عمومی اصطلاح ہے مثال کے طور پر (کسی کمپنی کے شیئرز کے)اسٹاک کو سیکیورٹی کہا جاتا ہے۔اسی طرح بانڈ اور ٹی۔بل کو بھی سیکیورٹی کہا جاتا ہے۔درج بالا تعریفات کے خلاصے کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد زری اثاثہ جات ہیں۔

سرمایہ کاری کی یہ دستاویزات جنہیں "سیکیورٹیز" سے موسوم کیا جاتا ہے، ڈیلر،بروکر،مالی وساطتی ادارے اور بعض اوقات بینک سے خریدی جاتی ہیں ہے اور اسٹاک ایکسچینج میں ان کی خرید وفروخت بآسانی ممکن ہوتی ہے۔(۲)

سیکورٹیز کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں۔

ا۔ شراکت اور ملکیت پر مبنی سیکورٹیز مثلاً شیئرز وغیرہ

---

(۱) Jason Z.Wei,A Layman's Guide to Financial Terms,University of Totonto, Scarborough, April,2014, p.85

(۲) www.Investopedia.com 03-04-2016, 10:11 pm

۲۔ قرض پر مبنی سیکورٹیز مثلاً گورنمنٹ بانڈز، کارپوریٹ بانڈز، میونسپل بانڈز، پرائز بانڈز، ڈبینچرز، میوچل فنڈز وغیرہ۔

زیرِ نظر مقالہ میں تمسکات یا سیکورٹیز کی تمام اقسام دائرہ بحث میں نہیں بلکہ صرف تین شیئرز، پرائز بانڈز اور ڈبینچرز کا شرعی جائزہ مقصود ہے کہ سرمایہ کاری کے یہ طریقے شرع اسلام میں جائز ہیں یا نہیں اور کیا سرمایہ کاری کے ایسے طریقے (Modes) موجود ہیں جنہیں استعمال میں لاتے ہوئے خاطر خواہ نفع کی توقع کی جاسکتی ہے؟ ذیل میں اسی حوالے سے بحث کی جاتی ہے۔

شیئرز:(Shares)

تمسکات میں سرمایہ کاری کا ایک معروف طریقہ شیئرز کی خریداری ہے، جس میں کسی کمپنی کے بڑے سرمائے کو چھوٹے چھوٹے حصص میں تقسیم کرکے عوام الناس کو کو خریداری کی دعوت دی جاتی ہے، یہ شیئرز اگر ایسی کمپنی کے ہوں جو اسٹاک ایکسچینج میں رجسٹرڈ ہو تو ان کی خرید و فروخت بآسانی ممکن ہوتی ہے اور یہ قابلِ انتقال آلہ مبادلہ ہوتے ہیں بنیادی طور پر شیئرز کی تین اقسام ہیں: [1]

۱۔ فیس ویلیو (Face value) ۲۔ پریمیم (Premium) ۳۔ ڈسکاؤنٹ (Discount)

۱۔ فیس ویلیو کے شیئرز سے مراد ایسے شیئرز ہیں جن کی خرید و فروخت انکی قیمت اسمیہ پر ہوتی ہے مثال کے طور پر ۱۰۰ روپے کے شیئر کی ۱۰۰ کے بدلے میں خرید و فروخت۔

۲۔ پریمیم شیئرز سے مراد ایسے شیئرز ہیں جن کی خرید و فروخت ان کی قیمت اسمیہ سے زائد پر ہو مثال کے طور پر ۱۰۰ روپے کے شیئر کی خرید و فروخت، ایک سو دس (۱۱۰) یا اس سے زائد پر۔

۳۔ ڈسکاؤنٹڈ شیئرز سے مراد ایسے شیئرز ہیں جن کی خرید و فروخت انکی قیمت اسمیہ سے کم پر ہو مثال کے طور پر ۱۰۰ روپے شیئر کی خرید فروخت ۹۰ روپے یا اس سے کم میں۔

شیئرز کی خریداری اور شرعی نقطہ نظر:

شیئرز کی خریداری کے بارے میں پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر کمپنی کے سرمائے کا پچاس فیصد سے زائد ٹھوس اثاثہ جات (تعمیرات، مشینری، دفاتر وغیرہ) کی صورت میں ہو تو ۱۰۰ روپے کے شیئر کی فروخت ۱۱۰ روپے میں کی جاسکتی ہے، ورنہ ۱۰۰ روپے کا شیئر ۱۰۰ میں ہی فروخت ہو گا اسے کم یا زیادہ کی اجازت نہیں۔

---

(۱) Qazi Shehzad and Muhammad Saeed, Introduction to business, Azeem academy, Lahore, p.147

۲۔ صرف ان کمپنیوں کے شیئرز کی اجازت ہے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو مثال کے طور پر حلال خوراک ،لباس ،یا رہائشی سہولیات ، فرنیچر، مشینری تیار کرنے والی کمپنیاں۔کسینو، نائٹ کلب ،شراب بنانے والی کمپنیاں،سودی بینک اور مالیاتی ادارے ،خنزیر کا گوشت اور اسکے اجزاءسے بنی ہوئی مصنوعات بنانے والی کمپنیوں کے شیئرز کی اجازت نہیں۔

۳۔ کمپنی کا بنیادی کاربار تو حلال ہو مگر کمپنی کسی نہ کسی طرح سود میں بھی ملوث ہو مثال کے طور پر اس نے سود پر بینک سے قرضہ لے رکھا ہو جیسا کہ آج کل کمپنیاں عموما بینکوں سے قرضہ لیتی ہیں یا منافع کی غرض سے رقم بینک کے پاس رکھواتی ہو تو ایسی کمپنیوں کے شیئرز لینے کے اجازت ہے تاہم شیئرز ہولڈرز پر لازم ہے کہ وہ اس ناجائز فعل کے خلاف کمپنی کی سالانہ میٹنگ میں آواز اٹھائیں اور اس کے خلاف ووٹ دیں۔

۴۔ اگر کمپنی کا بنیادی کاروبار تو حلال ہو مگر کمپنی نے اپنی زائد رقم سودی بینکوں کے پاس رکھوائی ہو تو اس صورت میں شیئر ہولڈرز کے پاس جو پیسہ آئے گا اس میں سود کی بھی آمیزش ہو گی تو اس کا حل یہ ہے شیئرز کا کاروبار کرنے والا شخص منافع میں سے اتنی رقم صدقہ کردے جو کل سودی منافع میں اس کے شیئرز کے تناسب سے اس کو ملی ہو تو اب اس کا منافع بالکل حلال ہو گا۔(۱)

ڈبینچرز:(Debentures)

کمپنی جو شیئرز جاری کرتی ہے اس کے عوض شیئر ہولڈرز کو دائمی مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں جب تک کمپنی تحلیل نہیں ہو جاتی۔ لیکن کمپنی اگر یہ چاہے کہ اس کہ مالکان کی تعداد نہ بڑھے اور اسے روپیہ پیسہ بھی حاصل ہو جائے جس سے سے اس کی ضروریات پوری ہو سکیں تو کمپنی ڈبینچرز جاری کرتی ہے۔ سہیل افضل ڈبینچرز کا مفہوم کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> "In general, a debenture is a borrowing. The usual way in which company borrows money is by issuing debentures. Debentures are also termed as Bonds. These are issued under the seal of company containing a contract for the repayment of principal amount at a specified date and for the payment of interest at a fixed rate until the principal amount is repaid."(2)

---

(۱) عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف، کراچی، ص۸۸۔۹۰

(۲) Sohail Afzal and M.Arif ,Accounting an intitiative approach azeem academy,Lahore,p.88,

ترجمہ: سادہ لفظوں میں ڈبینچرز کی نوعیت قرض کی ہے۔ جس میں کمپنی ڈبینچرز جاری کر کے (عوام الناس) سے قرض حاصل کرتی ہے۔ انہیں "بانڈز" کے ساتھ بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ ڈبینچرز کمپنی کی مہر کے ساتھ جاری کئے جاتے ہیں جو کہ اس بات کا معاہدہ ہوتے ہیں کہ کمپنی ہر متعین دورانیے کے بعد ڈبینچرز کے حاملین کو متعین سود ادا کرے گی جب تک ان کی اصل رقم انہیں ادا نہیں کر دی جاتی۔

ڈبینچرز میں سرمایہ کاری شرعی نقطہ ءنظر سے ناجائز اور حرام ہے اس لئے کہ ایک مقررہ رقم ادھار دے کر متعین دورانیے کے بعد اس پر اضافہ وصول کرنا اور نقصان میں شریک نہ ہونا ہی تو سود ہے۔ امام رازی η عہدِ رسالت میں مروج سود کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

"وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذي كان مشهورا متعارفا في الجاهلية وذلك انهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرا معينا، ويكون رأس المال باقيا، ثم إذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأداء زادوا في الحق والأجل، فهذا الرباء الذي كانوا في الجاهلية يتعاملون به" (۱)

ترجمہ: اور جہاں تک ربالنسیئہ کا تعلق ہے تو وہ دور جاہلیت کا ایک مشہور و معروف معاملہ تھا۔ جس میں لوگ روپیہ پیسہ اس شرط پر دیتے تھے کہ وہ ایک متعین مقدار ماہانہ وصول کریں گے۔ اور راس المال یونہی جوں کا توں باقی رہے گا۔ پھر جب ادائیگی کا وقت آتا اور مقروض سے راس المال کی واپسی کا مطالبہ کیا جاتا۔ اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو مدت اور واجب الاداء رقم کو بڑھا دیتے۔ یہ تھا وہ جاہلیت کا ربا جو ان کے ہاں رائج تھا۔

ڈبینچرز میں بھی اصل رقم جوں کی توں باقی رہتی ہے اور کمپنی اس وقت تک سود ادا کرتی رہتی ہے جب تک یہ رقم واپس نہ کر دی جائے لہٰذا ہر کلمہ گو پر اس سے احتراز لازم ہے اس لئے احکاماتِ خداوندی کی پیروی میں ہی اصل فلاح ہے۔

پرائز بانڈ:(Prize Bond)

سرمایہ کاری کا ایک طریقہ بانڈز کی خریداری بھی ہے۔ بانڈز سے مراد طویل المیعاد قرضہ جات ہیں (جو بانڈ ہولڈرز کی جانب سے بانڈز جاری کرنے والے ادارے کو دیئے جاتے ہیں) بانڈز جاری کرنے والا اس بات کا ذمہ دار ہوتا

(۱) رازی، محمد بن حسن التیمی، مفاتیح الغیب، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ۷/ ۷۲

ہے کہ وہ پختگی کی میعاد پر بانڈز کی اصل رقم واپس کرے گا اور ان پر متعین سود بھی ادا کرے گا۔[1] بانڈز کی کئی اقسام ہیں مثلا حکومتی بانڈز، کارپوریٹ بانڈز، میونسپل بانڈز وغیرہ وغیرہ مگر زیرِ نظر اسی کی ایک قسم پرائز بانڈ جو کہ وطنِ عزیز میں معروف ہے، کے حوالے سے بحث مطلوب ہے جس کے حلال اور حرام ہونے میں وطن عزیز کے علماء کے ایک طبقے کا اختلاف ہے لہٰذا اس کا تذکرہ ہم قدرے تفصیل کے ساتھ کریں گے:

انگریزی زبان سے ماخوذ اسماء "پرائز" اور "بانڈ" پر مشتمل مرکب اردو میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ انعامی بانڈ حکومت پاکستان کا جاری کردہ اقرار نامہ جس پر ماہ بماہ قرعہ اندازی کے ذریعے نقد انعامات تقسیم کیے جاتے ہیں۔[2] قاموس عربی، فرانسیسی، انگریزی میں بانڈ کے معنی "سند" "مستند" "وثیقہ" لکھے ہیں۔المورد میں بانڈ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"سند أو وثيقة الدين" [3]

ترجمہ: سرٹیفیکیٹ یا قرض کی دستاویز

حقیقت یہ ہے کہ حکومت کو کبھی عوام سے قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے اس کے لیے وہ وقتاً فوقتاً مختلف طریقوں سے قرض وصول کرتی رہتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کوئی شخص اپنی رقوم حکومت کو اس طرح دینے پر تیار نہیں ہوتا ہر شخص یہ چاہتا ہے اس کا مال بھی محفوظ رہے اور اسے نفع بھی حاصل ہوتا رہے۔ اس طرح حکومت عوام سے قرض حاصل کرنے کے لیے ایسے اقدامات کرتی ہے جس سے عوام متاثر ہو کر نفع کی لالچ میں زیادہ سے زیادہ بچتیں حکومت کے پاس جمع کرادیں۔

لوگ بانڈ کا وثیقہ لے کر اس کے بالمقابل قرض دینے پر آمادہ ہوں اس کی ترغیب کی ایک ممکنہ صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ بانڈ جاری کرنے والا اس پر متعین سود دینے کا التزام کرلے، ایک لاکھ روپے کے بانڈ پر سالانہ پندرہ ہزار سود دیا جائے گا، یہ سود ہر بانڈ ہولڈر کو ملے گا، جیسا کہ کمپنی ڈبینچرز میں کرتی تھی ظاہر ہے کہ اس صورت کے ناجائز ہونے پر کوئی اشکال یا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن پرائز بانڈ بھی اگرچہ اسی مقصد یعنی قرض کے حصول کا ایک ذریعہ ہے لیکن اس میں یہ نہیں ہوتا تمام پرائز بانڈ ہولڈرز کے لئے یعنی تمام قرض دہندگان کے لئے یہ التزام ہو کہ ان میں ہر ایک کو بہر صورت کسی متعین شرح کے ساتھ سود ملے گا۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ حکومت (بینک کے ذریعے) مختلف قیمتوں

---

(۲) Prof.Dr AP Faure, Bond Market:An Introduction,Quion Institute(PTY)Limited,South Africa,p.14

(۲) اطلاقی شماریات،۱۹۶۸ء، ص:۸۶

(۳) البعلبکی، دکتور روحی، المورد، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ص:۱۸

کے بانڈز جاری کرتی ہے جو اس بات کی دستاویز اور رسید ہوتے ہیں کہ اس بانڈ ہولڈر نے اتنی رقم حکومت کو قرض دی ہے اب اس کو اختیار ہے چاہے قرعہ اندازی میں شامل ہونے کے لیے بانڈز اپنے پاس رکھے یا بینک میں جمع کرا کے اپنی رقوم کسی بھی وقت واپس حاصل کر لے، یا کسی اور شخص کو دے کر اس سے رقم وصول کر لے۔ ان میں سے کسی بھی صورت میں اس بانڈ کے عوض حکومت یا متعلقہ بینک کی طرف سے خاص متعین شرح پر سود جاری نہیں ہو گا بلکہ یہاں بانڈز لے کر قرض دینے کی ترغیب پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ایک متعین مدت کے بعد مثلاً ہر تین مہینے بعد حکومت قرعہ اندازی کراتی ہے جس کا نمبر نکل آتا ہے، انعام یا پرائز کے نام سے اس کو بھاری رقم دی جاتی ہے۔[۱]

فرق یہ ہوا کہ شرح سود کی صورت میں ہر ہولڈر کو منافع ملنا یقینی تھا لیکن اس کی مقدار بہت معمولی تھی مثلاً پندرہ فیصد، جبکہ یہاں ممکنہ فائدہ مقدار میں بہت زیادہ ہوتا ہے مثلاً چند ہزار پر کئی کروڑ روپے، لیکن یہ فائدہ قسمت کی بات ہوتی ہے، اس کا انحصار قرعہ اندازی میں نام نکلنے پر ہوتا ہے۔ گویا پہلی صورت یعنی سود والی صورت میں اس میں ترغیب کی وجہ فائدے کا یقینی ہونا ہے جبکہ دوسری صورت میں وجہ فائدے کا زیادہ ہونا ہے۔

پاکستان میں پرائز بانڈز کی خرید و فروخت

پاکستان میں پرائز بانڈ کی خرید و فروخت کا سلسلہ عام ہے۔ حکومت سو، دو سو، سات سو پچاس، سات ہزار پانچ سو، پندرہ ہزار، پچیس ہزار اور چالیس ہزار کی قیمت کے پرائز بانڈز جاری کرتی ہے[۲] اور اب تو شنید یہ ہے بھی ہے کہ آئندہ مالی سال سے پانچ سو اور ایک ہزار کی قیمت کے پرائز بانڈز جاری کئے جائیں گے۔ بانڈز خریدنے کے بعد خریدار کی اصل رقوم محفوظ رہتی ہے اور خریدار بانڈز کی رقم کو پاکستان کے کسی بھی بینک کے ذریعے جب چاہے کیش کرا سکتا ہے۔ بانڈز سیریز میں جاری کیے جاتے ہیں۔ ہر تین ماہ کے بعد قرعہ اندازی کے ذریعے حکومت بالترتیب سات لاکھ سے لے کر سات کروڑ پچاس لاکھ تک کے انعامات جس کا نمبر نکل آئے ان میں تقسیم کرتی ہے۔[۳]

پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت پاکستانی مکاتب فکر کے نزدیک

---

(۱) المورد، ص:۱۴

(۲) پرائز بانڈز، ان کی مالیت اور سالانہ شیڈول کے لئے مرکز قومی بچت کی ویب سائٹ:
http://www.nationalsavings.pk/prize-bond-schedule-2016 وزٹ کیجئے جس میں سال ۲۰۱۶ کے پرائز بانڈز کی مکمل تفصیلات دی گئی ہیں۔

(۳) http://prizebond.net.php

پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علماء اس کو قمار یا سود قرار دے کر ناجائز کہتے ہیں اور بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں۔ آنے والی سطور میں پاکستان کے مختلف مکاتب فکر (دیوبندی، اہل حدیث، بریلوی اور اہل تشیع) کے موقف پر ائز بانڈ کی شرعی حیثیت کے بارے آراء پیش کی جائیں گی۔

پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت علماء دیوبند کے نزدیک

دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ تمام علماء انعامی بانڈز کی خرید فروخت کو ناجائز کہتے ہیں۔

ان کے نزدیک پرائز بانڈ پر ملنے والی رقم حرام وناجائز ہے۔ یہ سود اور قمار دونوں کا مجموعہ یا کم از کم ایک تو ضرور ہے اور شرعاً یہ دونوں صورتیں حرام ہیں۔[۱] قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَحَلَّ اللّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[۲]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

اللہ تعالیٰ نے سود پر شدید اور سخت وعید فرمائی حتیٰ کہ سودی کاروبار کو اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ سے اعلان جنگ کے مترادف قرار دیا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ، فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ﴾[۳]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر سچ مچ ایمان والے ہو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے سود کھانے والے، سود دینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔[۴]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جوئے اور قمار بازی کے معاملات کو نہ صرف حرام قرار دیا ہے بلکہ اس کو انسانی معیشت کے لیے نجاست، گندگی، انسانیت کے درمیان بغض وعداوت کا سبب اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔[۵]

---

(۱) http://daruifta-deoband.org

(۲) سورۃ البقرۃ ۲/ ۲۷۵

(۳) سورۃ البقرۃ ۲/ ۲۷۸-۲۷۹

(۴) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن الآکل الرباو موکلہ، حدیث نمبر: ۲۹۵۵، مطبوعہ نور محمد، کراچی

(۵) مفتی محمد تقی عثمانی و مولانا سلیم اللہ، پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت، مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی، اپریل ۲۰۰۸ء، ص:۳۹

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! بلاشبہ شراب اور جوا، بت اور جوئے کے یہ تیر سب نجس ہیں، شیطانی عمل میں سے ہیں، ان چیزوں سے دور رہا کرو تاکہ تمہیں فلاح ملے۔

انعامی بانڈز کے نام سے جو انعام دیا جاتا ہے حقیقتاً یہ سود کی ایک شکل ہے۔ انعامی بانڈز کے انعام میں ملنے والی رقم حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

بینک جب انعامی بانڈز کی کوئی سیریز نکالتا ہے اور اس سیریز کے ذریعے سے جو رقم وہ عوام سے وصول کرتا ہے اس رقم کو عموماً بینک کسی کو سودی قرضے پر دے دیتا ہے اس سود سے جو رقم موصول ہوتی ہے بینک اس میں سے کچھ رقم اپنے پاس رکھتا ہے اور کچھ قرعہ اندازی کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہے جنہوں نے انعامی بانڈز لئے تھے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کے جو رقم انعام کے نام سے ملتی ہے وہ حقیقتاً سود ہی کی رقم ہے اگرچہ بینک اس کو ہزار مرتبہ انعام کہے۔ یہ سودی رقم اس حدیث شریف کے زمرے میں بھی آتی ہے:

"كل قرض جر نفعا فهو حرام"(۲)

ترجمہ: ہر وہ قرض جس کے ذریعے نفع کمایا جائے وہ حرام ہے۔

اور بعض علماء دیوبند یہ بھی کہتے ہیں کہ انعامی بانڈز میں بانڈز لینے والے کی طرف سے اس نفع کی شرط نہیں لگائی جاتی۔ بلکہ بینک والے اسے بطور انعام کے دیتے ہیں۔ لیکن فقہ میں ایک مشہور قاعدہ ہے:

"المعروف عرفا كالمشروط شرطا"(۳)

ترجمہ: کہ جو چیز عرف اور رواج کا حصہ بن جائے وہ ایسے ہی ہے جیسے عقد میں اس کی شرط لگالی گئی ہو۔

یعنی جو چیز لوگوں میں عام رائج ہو اور پہلے ذہنوں میں طے شدہ ہو وہ ایسی ہے جیسے کہ زبانی شرط لگانا، چنانچہ انعامی بانذز میں بھی بانڈز لینے والے کے ذہن میں یہی ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے مجھے اپنی اصل رقم سے زائد مل جائے گی۔

---

(۱) سورۃ المائدہ ۵/ ۹۰-۹۱

(۲) ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۴/ ۱۷۴

(۳) السیوطی، جلال الدین، الأشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۱ء، ص: ۹۲

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بینک انعامی بانڈز کے لینے والوں کی رقم کو سودی قرضہ پر نہیں دیتا بلکہ اس کو کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور اس کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی انعامی بانڈز سے ملنے والا انعام جائز نہیں اس لیے کہ مشارکت میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے جبکہ یہاں بینک کی طرف سے نقصان کا کبھی کوئی ذکر نہیں آتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تجارتی اور شرعی اصول کے مطابق مشارکت کی تجارت میں جب نفع ہوتا ہے تو اس میں نفع سے ہر شریک کو اتنے فی صد ہی حصہ ملتا ہے جتنے فیصد اس نے روپیہ لگایا ہے۔

نفع کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ کرنا اس میں بہت سوں کے ساتھ نانصافی ہونا یقینی بات ہے۔ لہٰذا انعامی بانڈز کا انعام ہر اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے۔

اگر کسی کے پاس انعامی بانڈز آجاتے ہیں یا اس نے ضروریات کے بناء پر خرید لیے ہیں اب اگر وہ ان کو قیمت خرید پر ہی فروخت کر دیتا تو اس پر کوئی انعام یا نفع نہیں لیتا تو یہ صورت جائز ہے۔[۱]

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ پرائز بانڈ پر ملنے والے انعام کو سود قرار دینے پر تو تقریباً تمام علماء دیوبند متفق ہیں، تاہم اسے قمار قرار دینا محل نظر بھی ہے اور اس پر اتفاق بھی نہیں ہے[۲]۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قمار بننے کے لئے ضروری ہے کہ آپ کو جو ممکنہ فائدہ حاصل ہو رہا وہ خطرے کی بنیاد پر ہو، یعنی معاملہ دو باتوں کے درمیان دائر ہو، یا تو آپ کو اپنی اصل رقم کے علاوہ مزید بھی مل جائے گی یا آپ اپنی اصل رقم سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

"قوله لما فيه من القمار هو المراهنة كما في القاموس، وفيه المراهنة، والرهان المخاطرة. وحاصله أنه تمليك على سبيل المخاطرة"[۳]

ترجمہ: ان کی بات کا مطلب یہ ہے کہ اس میں قمار پایا جاتا ہے اور قاموس میں اس کی تشریح مراہنہ سے کی گئی ہے۔ مراہنہ اور رہان دونوں کا قاموسی معنی مخاطرہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قمار میں ملکی خطرے پر مبنی ہوتی ہے۔

ایک اور جگہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

---

(۱) شیخ مزمل حسین، فتویٰ، دار الافتاء، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(۲) مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف، کراچی، ص: ۳۳

(۳) رد المختار، ۵/ ۱۱

"لأن القمار من القمر الذي يزداد تارة وينقص أخرى، وسمي القمار قمارا لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص"(١)

ترجمہ: قمار، قمر (چاند) سے ہے جو کہ کبھی گھٹتا اور کبھی بڑھتا ہے اور قمار کو قمار اس لئے کہا جاتا ہے کہ مقامرین (جواری) میں سے ہر ایک کا مال کبھی تو دوسرے کی جانب چلا جاتا ہے اور کبھی اُس کا مال اِس کی جانب چلا آتا ہے جس سے یہ مستفید ہوتا ہے اور یہ از روئے نص حرام ہے۔

اسی طرح کویت کی وزارت اوقاف کے تحت تیار ہونے والے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

"وقال ابن حجر المكي: الميسر: القمار بأي نوع كان، وقال المحلي: صورة القمار المحرم التردد بين أن يغنم وأن يغرم"(٢)

ترجمہ: ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ میسر سے مراد قمار ہے خواہ وہ جس قسم کا بھی ہو۔ اور محلیٰ (ابن حزم) میں کہا گیا ہے کہ وہ قمار جو کہ حرام ہے ایسی صورتحال پر مبنی ہے کہ یا تو (جواری) امیر ہو جائے گا یا پھر مقروض ہونا اس کا مقدر ٹھہرے گا۔

اور یہاں پرائز بانڈ میں اصل رقم کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا، وہ ہر حال میں محفوظ رہتی ہے، انعام نہ نکلنے کی صورت میں بانڈ ہولڈر اپنی اصل رقم حاصل کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت اور علماء اہل حدیث کا نقطہ نظر

علماء اہل حدیث کے نزدیک بھی پرائز بانڈ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ ان کے نزدیک نہ صرف یہ سود ہے بلکہ اس میں جوے کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ سود اس لحاظ سے ہے کہ حکومت ایک متعین شرح کے حساب سے سود کی رقم کا حساب کر کے اسے انعام کی شکل میں دیتی ہے اس طرح یہ بانڈ حکومت کے لیے سودی قرضہ ہی کی حثییت رکھتا ہے۔ اور جوا اس لیے ہے کہ بانڈ ہولڈر صرف اتفاقی طور پر نمبر نکل آنے سے بغیر کسی فعال سرمایہ کاری نفع حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اور جوے میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔(٣)

دور جاہلیت میں جوئے کی متعدد صورتیں تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کعبہ شریف میں رکھے ہوئے چند مخصوص تیروں کے ذریعے مشترکہ مال تقسیم کیا جاتا تھا اس طرح قرعہ اندازی کے ذریعے جو تیر جس کے نام کا نکل آیا

---

(١) ایضاً، ٦/ ٤٠٣

(٢) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الأوقاف والشئون الاسلامیہ، ٣٩/ ٤٠٤

(٣) ابو محمد، حافظ عبد الستار، فتاویٰ اصحاب الحدیث، مکتبہ ابن قیم، سلطان کالونی میاں چنوں، جون ٢٠٠٧ء، ١/ ٢٦٧

اور اس پر جتنا حصہ لکھا ہوتا وہ اسے مل جاتا۔ بعض خالی تیر نکلنے کی صورت میں وہ شخص بالکل محروم رہتا۔ اور قرآن مجید میں صاف آیا یہ صورت حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: تمہارے لیے یہ بھی حرام ہے کہ تم پانسوں کے ذریعے اپنی قسمت معلوم کرو۔ (۱)

ادھر انعامی سکیموں میں بھی تو یہی کچھ ہوتا ہے لہٰذا اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

علماء اہل حدیث لکھتے ہیں کہ قسمت آزمائی کا سہارا لے کر اسے درست کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ قسمت آزمائی جس کی بنیاد محض وہم و گمان اور اتفاق عمل پر ہو وہ ناجائز ہے جسے قرآن مجید میں تیروں کے ذریعے قسمت آزمائی فرمایا گیا ہے اور وہ بالاتفاق حرام ہے۔

اور بعض لوگ اسے انعام سمجھ کر جائز سمجھتے ہیں حالانکہ اس طرح کسی کو دی جانے والی رقم کو کسی بھی طور پر انعام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ انعام حسن کارکردگی یا اعلیٰ خدمات کا صلہ ہوتا ہے جبکہ اس میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ انعام حاصل کرنے والے سے کچھ وصول نہیں کیا جاتا جبکہ انعامی سکیموں میں شمولیت کے لیے کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے۔

انعام میں کچھ وجوہ ترجیح ہوتی ہیں جب کہ ان سکیموں میں کامیابی کی بنیاد محض "اتفاق" ہے۔ (۲)

مزید یہ کہ پرائز بانڈ جوئے کی ایک واضح قسم اس طرح سے بھی ہے کہ بینک کا سارا کاروبار سود پر ہوتا ہے اس لیے بھی یہ بانڈز بھی مشکوک ہو جائیں گے اور ان سے بچنا ہی بہتر ہے۔ (۳)

بریلوی علماء اور پرائز بانڈ

علماء بریلوی کے نزدیک انعامی بانڈز کی بیع و شراء بالکل جائز ہے اور حکومت کی طرف سے ان کو خریدنے کے بعد نام نکلنے پر جو انعامات جاری کیے جاتے ہیں وہ بھی جائز ہیں کیونکہ اس انعام پر ربا یا قمار کسی کی بھی تعریف صادق نہیں آتی۔

علامہ مفتی محمد وقار الدین لکھتے ہیں کہ: پچاس روپے، سو روپے، پانچ سو یا ایک ہزار کے پرائز بانڈ خریدنا اور ان پر انعام لینا جائز ہے۔ شریعت نے حرام مال کی کچھ صورتیں مقرر کی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ کسی کا مال چوری، غصب، ڈکیتی یا رشوت کے ذریعے لیا جائے۔

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/ ۵

(۲) فتاویٰ اصحاب الحدیث، ۱/ ۲۶۵

(۳) مولانا ابو الحسنات علی، فتاویٰ علمائے حدیث، مکتبہ سعیدیہ، خانیوال، جنوری، ۱۹۸۱ء، ۱۴/ ۱۳۲

۲۔ جوئے میں مال حاصل کیا جائے۔

۳۔ سود میں لیا جائے۔

۴۔ اور یہ کہ بیع باطل کے ذریعے لیا جائے۔

پرائز بانڈ میں ان میں کوئی ایک صورت بھی نہیں

انعامی بانڈز میں اضافہ مشروط نہیں لہٰذا سود نہیں اور پیسے میں کمی نہیں ہوتی لہٰذا جوا نہیں لینے والا اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دیدے تو وہ جائز ہے اور اس کے لیے قرعہ اندازی کرنا بھی جائز ہے تو انعامی بانڈ کے جائز ہونے کی وجہ نہیں ہے۔[۱]

ان کے نزدیک انعامی بانڈز کا انعام ربا نہیں ہے۔

اور ربا کی دو قسمیں ہیں:

۱) ربا الفضل

۲) ربا النسیئہ

یہ انعام ربا الفضل اس لیے نہیں ہے کہ:

- امام ابو حنیفہ η کے نزدیک ربوا الفضل کی حرمت کی علت جنس میں اتحاد اور قدر معروف میں زیادتی ہے۔ اور یہاں جنس ایک نہیں کیونکہ انعامی بانڈز کی بیع کرنسی نوٹوں کے عوض ہوتی ہے انعامی بانڈز کے عوض نہیں۔
- امام شافعی η کے نزدیک حرمت کی علت صرف سونے چاندی یا کھانے پینے کی چیزوں میں ہو سکتا ہے۔
- امام مالک η کے نزدیک ربا صرف ان چیزوں میں ہو سکتا ہے جن میں غذائیت ہو یا وہ چیزیں قابل ذخیرہ ہوں۔
- امام احمد بن حنبل η کے نزدیک حرمت کی علت ناپ تول ہے اور بانڈز میں ایسا نہیں ہوتا۔[۲]

---

(۱) مفتی محمد وقار، وقار الفتاویٰ، بزم وقار الدین، کراچی، ۱/۲۲۷-۲۲۹

(۲) الرازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، دار الفکر، ۱۹۸۱م، ۲/ ۳۵۱

اور ربا النسیئہ میں ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس قرض میں ایک معین مدت کے بعد اصل رقم سے زائد رقم لینے کی شرط رکھی جائے اور زائد رقم کی مقدار بھی معین ہو وہ ربا النسیئہ ہے۔ انعامی بانڈز میں چونکہ مدت کے عوض اضافہ کی شرط نہیں ہوتی اور اگر بغیر شرط لگائے مقروض قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد دے تو یہ جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ لِي عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي وَدَخَلْتُ عَلَيْهِ الْمَسْجِدَ فَقَالَ :لِي صَلِّ رَكْعَتَيْنِ [1] ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے ذمے میرا قرض تھا۔ آپ ﷺ نے وہ ادا کیا اور مجھے (میرے قرض سے) زیادہ دیا۔

صحیح بخاری کی اس رویت سے واضح ہوا کہ اگر مقروض خود زائد رقم دے تو یہ جائز ہے اگر انعامی بانڈز میں حکومت قرض لیتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بعد از خود بعض افراد کو اصل رقم سے کچھ زیادہ دیتی ہے تو وہ حدیث شریف کے پیش نظر جائز ہے اور سود نہیں ہو گا۔

وہ کہتے ہیں کہ انعامی بانڈز میں ہر شخص اس شرط کے ساتھ انعام نہیں خرید رہا ہوتا ہے کہ اسے لازماً انعام ملے گا۔ کیونکہ حکومت ہر خریدار کو انعام نہیں دیتی نہ اس کا رواج ہے اور نہ عرف ہے اور جو چیز عرف نہیں ہے وہ حکماً شرط بھی نہیں بن سکتی ہے۔ "المعروف کالمشروط" کا قاعدہ اس وقت جاری ہوتا ہے جب رواج ہوتا کہ حکومت ہر خریدار کو زائد رقم ادا کرتی پھر اگر خریدار شرط نہ بھی لگاتا پھر بھی عرف کی وجہ سے اس کو شرط کہا جاتا۔ لیکن جب ہر خریدار کو انعام نہیں ملتا لاکھوں میں سے چند ایک کو ملتا ہے ان کو یہ نہیں پتا ہوتا ہے کہ کتنا انعام ملے گا پھر یہاں عرف کا کیا سوال ہے۔ اور انعامی بانڈز کو فروخت کرنے والی حکومت ہے بینک نہیں ہے۔ حکومت انعامی بانڈز کو بینک کے ذریعے فروخت کرتی ہے اور پھر حکومت اس پیسے کو مختلف کمپنیوں کو دے کر کاروبار میں لگاتی ہے یہ سود نہیں ہے۔ انعامی بانڈز خرید وفروخت ہے قرض نہیں۔ قرض میں ایک معین مدت کے لیے رقم لی جاتی ہے اور اگر اس پر سود دینا ہے تو اس مدت کے بعد سود دیا جائے۔ اور پرائز بانڈ آدمی بغیر تعیین کے خریدتا ہے اور جب چاہے بغیر کسی نقصان یا زیادتی کے بینک کو بانڈز واپس کر کے پیسے لے لیتا ہے۔ یہ قرض کہاں سے ہو گیا۔

یہ کہنا کہ جو شخص انعامی بانڈز خریدتا ہے اس میں سودی لین دین کی نیت ہوتی ہے۔ یہ مسلمانوں کے بارے میں سوء ظن کے سوا کچھ نہیں اور نیت ایک مخفی چیز اور غیب ہے تو مسلمانوں کی نیت کے بارے میں ایسا حکم لگانا جو علم غیب سے ہو وہ صحیح نہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم، باب استحباب تحیۃ المسجد، حدیث: ۴۱۵، ۱/ ۴۹۵

ان کے نزدیک انعامات میں قمار بالکل نہیں ہے کیونکہ قمار میں شرط ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی اپنی بیوی اور مال کی شرط لگاتا تھا اور جو شخص بھی اپنے ساتھی پر غالب ہوتا (شرط جیت لیتا) وہ اپنے ساتھی کے مال اور اہل کو لے لیتا۔ (۱)

لوئیس معلوف "قمار" کا معنی لکھتے ہیں:

"ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب مغلوب کی کوئی چیز لے لے گا خواہ چاندی ہو یا کوئی اور چیز۔" (۲)

کیونکہ انعامی بانڈز میں شرط بالکل نہیں ہوتی اور خریدنے اور بیچنے والا دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو بھی نفع یا نقصان لازم نہیں ہے۔ خریدار جتنے روپے کا بانڈز خریدتا ہے جب چاہے اس کو اتنے روپے میں فروخت کر دیتا ہے۔ حکومت جو بانڈز پر انعام دیتی ہے وہ محض تبرع ہیں جو محض بانڈز خریدنے کی ترغیب کے لیے جاری کیے جاتے ہیں۔

پرائز بانڈ کی شرعی حیثیت علمائے اہل تشیع کے نزدیک

انعامی بانڈ (ٹکٹ) اگر کوئی اس احتمال کی بناء پر خریدلے کہ انعام میرے نام پر نکلے گا تو بلاشک یہ حرام ہے اگر بانڈ خریدنے والا بانڈ کی قیمت قرض کی نیت سے دے اور اسے یہ حق ہو کہ قرعہ اندازی کے بعد دی ہوئی رقم واپس لے لیکن اس قرض کے دینے میں یہ شرط ہو کہ کمپنی سے ایک ٹکٹ خرید بھی لے جس کے وسیلے سے اگر قرعہ اندازی میں اس کا نام نکل آئے تو اسے انعام دیا جائے تو یہ معاملہ حرام ہے کیونکہ یہ سود والے قرضے میں شمار ہوتا ہے اور اگر اس کو جعالہ قرار دیا جائے یعنی عرف عام کی نظر خود ٹکٹ یا بانڈ ایک باقیمت اور مالیت سمجھا جائے اور ٹکٹ یا بانڈ جاری کرنے والا یہ کہے کہ جو شخص یہ خریدیں گے تو قرعہ اندازکے بعد جس کا نام قرعہ میں نکلے گا اسے انعام دیا جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (۳)

علامہ آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی کے مطابق پرائز بانڈ کی دیگر اقسام جو اکثر بین الاقوامی شیئرز بازار میں خرید و فروخت کی جاتی ہے جس کی بنیاد پر مثال کے طور پر حکومتیں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے بانڈز کی نشر و اشاعت کرنے کی اقدامات کرتی ہیں اور ان میں منافع بھی دیا جاتا ہے اور بانڈ کی رسید میں درج اصلی سرمایہ کی رقم

---

(۱) قرطبی، ابو عبد اللہ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ انتشارات ناصر، خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ، ۳/ ۵۲

(۲) لوئیس معلوف، المنجد، المطبعہ الکاثولیکہ، بیروت، ۱۹۲۷ء، ص: ۶۵۳

(۳) حافظ بشیر حسین نجفی، توضیح المسائل، ایلیا پرنٹرز، لاہور، ص: ۶۳۰

بھی سرمایہ لگانے والے کو واپس دی جاتی ہے۔ یہ صرف اس صورت میں جائز یا صحیح ہے کہ جب اسے مضاربہ کے عنوان کے تحت کیا جائے یعنی اسے (مضاربہ) عنوان سے سرمایہ لگانے کا کام انجام دیا جائے اور حاصل ہونے والا منافع ادا کرنے والے منافع سے زیادہ ہو۔(۱)

علماء اہل تشیع کے نزدیک نتیجہ یہ نکلا کہ انعامی بانڈز کی دو صورتیں ہوئیں ایک ناجائز اور دوسری جائز۔ قرض کے بانڈز کی شکل میں ہو تو ناجائز ہے۔ اور مضاربہ کی شکل میں ہو تو جائز ہے۔

پرائز بانڈ کے مجوزین کے دلائل کا جائزہ

دلیل نمبر ۱:

پرائز بانڈ کو جائز قرار دینے والے علما کا کہنا ہے کہ انعامی بانڈز میں اضافہ مشروط نہیں لہذا یہ سود کے زمرے میں نہیں آتا، محل نظر ہے، اس لئے کہ عہد رسالت میں سود کی ایک سے زائد صورتیں رائج تھی کبھی تو سود دینے والا ایک رقم سود پر دیتا اور اس پر اضافہ پہلے سے طے کر دیتا تھا علامہ رازی η اور علامہ جصاص η نے دور جاہلیت کے سود کی یہی صورت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"والربا الذي كانت العرب تعرفه وتفعله إنما كان قرض الدراهم والدنانير إلى أجل بزيادة على مقدار ما استقرض على ما يتراضون به" (۲)

ترجمہ: اور ربا جو کہ عرب کے ہاں معروف اور رائج تھا وہ یہ تھا کہ دراہم اور دنانیر مخصوص مدت کے لئے اس شرط پر قرض دیا کرتے تھے کہ وہ ان پر ایک متعین اضافہ وصول کریں گے۔

دوسری صورت یہ تھی ایک شخص دوسرے کو کوئی چیز ادھار پر فروخت کرتا پس جب واجب الاداء رقم کی مدت آجاتی اور خریدار قیمت کی ادائیگی نہ کر سکتا تو فروخت کنندہ چیز کی قیمت میں اضافہ کر کے مہلت بھی بڑھا دیتا سود کی یہ صورت علامہ طبریؒ نے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"إن ربا الجاهلية يبيع الرجل البيع إلى أجل مسمى، فاذا حل الأجل ولم يكن عنه صاحبه قضاء زاد و أخر عنه"(۳)

ترجمہ: بے شک جاہلیت کا ربا یہ تھا کہ ایک شخص کوئی چیز دوسرے کو ادھار پر فروخت کرتا پس جب (واجب الاداء رقم کی) مدت آجاتی اور خریدار قیمت کی ادائیگی نہ کر سکتا تو فروخت کنندہ چیز کی قیمت

---

(۱) htpp://makram.ir/reader.aspx

(۲) جصاص، ابو بکر احمد بن علی، احکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ ص:۴۵۶

(۳) ابن جریر، طبری محمد، جامع البیان، مؤسسہ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ۸/۶

میں اضافہ کر کے مہلت بھی بڑھا دیتا۔

ربا الجاہلیہ جسے ربا القرآن اور ربا النسیئہ بھی کہا جاتا، عہد رسالت میں اس کی کئی صورتیں مروج تھیں جیسا کہ ائمہ تفسیر کے اقوال سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مفتی تقی عثمانی سپریم کورٹ کے سود کے بابت تاریخ ساز فیصلے میں اس کا خلاصہ کچھ یوں کرتے ہیں کہ: دراصل ربا کی مختلف صورتیں تھیں اور وہ سب کی سب جاہلیت کے عربوں میں رائج تھیں۔ ان تمام معاملات میں مشترک بات یہ تھی کہ ادھار کی رقم پر ایک اضافی رقم کا مطالبہ کیا جاتا تھا، پھر بعض اوقات یہ ادھار خرید و فروخت کے ذریعے سے پیدا ہوتا اور بعض اوقات قرضہ دینے کے ذریعے پیدا کیا جاتا تھا اسی طرح اضافی رقم بعض مرتبہ ماہانہ وصول کی جاتی، جبکہ اصل سرمایہ متعین مدت میں ادا کیا جاتا تھا اور بعض مرتبہ یہ اضافی رقم اکٹھی اصل سرمائے کے ساتھ وصول کی جاتی تھی۔ ان تمام شکلوں کو ربو کہا جاتا تھا، کیونکہ اس کے اصطلاحی معنیٰ اضافے کے ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۲:

یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ η کے ہاں ربا لفضل کی علت جنس میں اتحاد اور قدرِ معروف میں زیادتی ہے اور یہاں جنس ایک نہیں اس لئے کہ بانڈز کی بیع کرنسی نوٹوں کے عوض ہوتی ہے، بھی محلِ تحقیق ہے اس لئے دور حاضر میں زر کی دو صورتیں رائج ہیں جنہیں بازار کے عرف اور حکومت کے قوانین کی مکمل تائید حاصل ہے:

(۱) زرِ حقیقی (۲) زرِ اعتباری

زرِ حقیقی سے مراد کرنسی نوٹ ہیں جو دس، بیس، پچاس، سَو، پانچ سَو، ہزار، پانچ ہزار کی مالیت تک مرکزی بینک کی جانب سے جاری کئے جاتے ہیں اور زرِ اعتباری سے مراد مختلف مالیتوں کی دستاویزات ہیں مثلاً: چیک، ہنڈی، پرامیسری نوٹ، ڈبینچرز، پرائز بانڈ وغیرہ۔ دور حاضر میں زرِ اعتباری کو زرِ حقیقی کی مقبولیت حاصل ہے۔ عوام الناس اور تاجر حضرات کھلے پیمانے پر ان کا لین دین کرتے ہیں۔ بڑی بڑی ادائیگیاں اور وصولیاں ان کے ذریعے چکائی جاتی ہیں۔ زرِ حقیقی کی مثل ان کی قوتِ خرید کا تعین ان پر درج مالیت شدہ مالیت کرتی ہے لہٰذا ایک ہزار کے پرائز بانڈ کی مالیت ایک ہزار ہی ہوتی ہے، گیارہ سَو یا بارہ سَو نہیں ہوتی۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کو بانڈز واپس کرنے کی صورت میں بھی ان پر درج شدہ مالیت کے بقدر ہی رقم واپس کی جاتی ہے۔ یہ تمام باتیں اس بات کا تعین کرتی ہیں کہ بانڈز کی حیثیت آلہ مبادلہ کی ہے، فروخت کی جانے والی اشیاء کی نہیں لہٰذا احناف کے ہاں اس میں اتحادِ جنس کا پایا جانا بدیہی ہے جس میں کسی کمی بیشی کی اجازت نہیں۔

---

(۱) اسلام اور جدید معاشی مسائل، ۶/ ۵۷

دلیل نمبر ۳:

یہ کہنا کہ اگر بغیر شرط لگائے مقروض، قرض خواہ کو کچھ دے دے تو جائز ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ اتفاقی صورت حال پر محمول ہے مگر پرائز بانڈ میں یہ اتفاق نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کا نمبر نکل آیا تو اس کو اضافہ ضرور ملے گا اور اس نمبر نکلنے کی امید میں ہر وہ شخص شامل ہے جس نے پرائز بانڈ خریدا ہے اور یہی بازار کا عرف ہے لہٰذا معلوم اور معروف اضافے کو جو کہ متوقع ہے اور نمبر نکلنے کی صورت میں یقینی ہے، اتفاقی صورت پر کبھی بھی محمول نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی حدیث سے اس کی دلیل اخذ کی جاسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مجوزین کے ہاں یہ خرید و فروخت کا معاملہ ہے (جیسا کہ اس کی تفصیل اگلے پیراگراف میں آرہی ہے) تو خرید و فروخت کے جواز میں قرض اور پھر اس کی زیادتی سے دلیل نہیں دی جاسکتی لہٰذا یہ خلطِ مبحث ہے۔

دلیل نمبر ۴:

یہ کہنا کہ پرائز بانڈ خرید و فروخت کا معاملہ ہے، قرض کا نہیں اس لئے کہ حکومت پرائز بانڈ کو بینکوں کے ذریعے فروخت کرتی ہے اور پھر اس کی مختلف کمپنیوں میں سرمایہ کاری کرتی ہے یہ تکییف بھی محلِ تحقیق ہے اس لئے کہ خرید و فروخت میں فروخت کنندہ چیز کو فروخت کرنے کے بعد اپنی ذمہ داریوں سے بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ذمے خریدار کے مال کی حفاظت، سرمایہ کاری یا اس جیسی کوئی بھی دوسری ذمہ داری نہیں ہوتی۔ مگر زیرِ نظر مسئلے میں تو حکومت فروخت شدہ مال کی باقاعدہ سرمایہ کاری کرتی ہے۔ یہ صورت مضاربت کے زیادہ قریب تھی بشرطیکہ نفع کا تناسب حکومت اور بانڈ ہولڈرز کے مابین طے ہو جاتا لیکن بانڈ ہولڈرز کو ایک روپے کا نقصان نہ ہونا بلکہ نمبر نکلنے کی صورت میں سو فیصد انعام کی یقین دہانی وہ مرحلہ ہے جو اسے مضاربت سے بھی نکال دیتا ہے اور قمار یا پھر اکلِ باطل کے قریب کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ پانچ فیصد خوش نصیبوں کو ملنے والا لاکھوں یا کروڑوں کا انعام بقیہ پچانوے فیصد کی سرمایہ کاری کا مرہونِ منت ہوتا ہے لیکن شاید قسمت کی دیوی ان پر مہربان نہیں ہوتی۔

پرائز بانڈ کی اسکیم کے بارے میں اسلامی مشاورتی کونسل نے ۱۹۶۹ء میں یہ فیصلہ دیا کہ اس کا انعام سود ہے۔ وطنِ عزیز کے سب سے بڑے اجتہادی ادارے اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۸۴ میں اس فیصلے کو برقرار رکھا اور مراسلہ نمبر ۷(۴۴) ۸۳ آر سی آئی آئی، یہ سفارش کی کہ جلد از جلد اس اسکیم کو ختم کیا جائے مگر افسوس کہ کونسل کی

اس سفارش پر تاحال عمل نہ کیا جاسکا۔[۱] مجمع الفقہ الاسلامی نے تمسکات کی بابت استفتاء میں پرائز بانڈز میں سرمایہ کاری کو حرام قرار دیا اور اس کی وجہ سود اور قمار بتائی۔[۲]

درج بالا بحث سے اکثر مکاتب فکر اور علماء پاکستان کے نزدیک پرائز بانڈ کا انعام ناجائز ثابت ہوا اور جہاں تک مجوزین کے دلائل ہیں تو وہ محل نظر ہیں جیسا کہ گذشتہ بحث میں ذکر کیا گیا۔ اس لیے جو چیز شک میں ڈال رہی ہو اس سے تو بچنا بہتر ہوتا ہے۔

حضرت حسن بن علی ؓ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

((دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُك))[۳]

ترجمہ: جو چیز تمہیں تردد میں ڈالے اسے چھوڑ کر بغیر تردد والی چیز اختیار کر لو۔

اسی میں قوموں کی فلاح ہے۔ روزی جائز اور حلال ذریعوں سے کمانی چاہیے۔ حرام و شک و شبے کی کمائی سے اجتناب ہر مسلمان پر لازم ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: اور اپنے مالوں کو ناجائز طور پر مت کھاؤ۔[۴] لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے اسلام کے اصولِ یسر کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے متبادل پیش کئے جائیں تاکہ وہ لوگ جن کے پاس فاضل رقم ہوتی ہیں انہیں کام میں لاکر فائدہ اٹھایا جائے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ہم ذیل کی سطور میں تمسکات کے چند متبادل پیش کر رہے ہیں:

پرائز بانڈز کی مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری:

سود پر مبنی تمسکات مثلاً پرائز بانڈز کا بہترین متبادل مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری ہے کہ ان سے حاصل ہونے والی رقوم کو نفع اور نقصان کی بنیاد پر شریعت سے ہم آہنگ جگہوں پر سرمایہ کاری میں لگایا جائے مثال کے طور پر تین ماہ اور چھ ماہ کی میعاد پر بانڈز جاری کئے جائیں۔ شرح منافع حکومت اور بانڈ ہولڈرز کے مابین پہلے سے طے ہو جس میں تجویز یہ ہے کہ حکومت اپنی شرح منافع کو کم رکھے تاکہ عوام کو زیادہ سے زیادہ نفع دیا سکے پھر اسے حلال کاروبار میں لگایا جائے۔ جو نفع ہو وہ بانڈز کے حاملین میں تقسیم کیا جائے اور اگر نقصان ہو تو اسے اولا نفع سے پورا کیا جائے اور اگر بچ رہے تو پھر اس کی زد میں اصل سرمایہ یعنی بانڈز کی رقم بھی آئے گی۔

---

(۱) دیکھئے اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ ۱۹۸۴، ص، ۱۷۶۔۱۷۷

(۲) دیکھئے مجمع الفقہ الاسلامی کا فیصلہ منعقدہ اجلاس بتاریخ ۱۷تا۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ

(۳) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، باب تفسیر المشبہات، حدیث: ۲۰۵۲، ۳/۵۳

(۴) سورۃ البقرۃ: ۲/۱۸۸

صکوک کا اجرا

صکوک سے مراد مساوی مالیت کے ایسے سر ٹیفکیٹس ہیں جو ٹھوس اثاثہ جات، انکے حق استعمال، خدمات یا کسی مخصوص منصوبے کے اثاثہ جات اور سرمایہ کاری پر مبنی سرگرمی میں غیر منقسمانہ ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔(۱) صکوک روایتی بانڈز اور شیئرز سے مختلف ہیں۔ شیئرز کی ملکیت کسی کمپنی میں غیر محدود مدت کیلئے ہوتی ہے جبکہ صکوک ایک طے شدہ مدت کیلئے ہوتے ہیں جن کی پشت پر اثاثہ جات کی بنیاد ہوتی ہے۔ یوں یہ ایک مخصوص عرصے کیلئے اثاثہ جات میں حق ملکیت رکھتے ہیں جن سے حاصل ہونے والا نفع بھی ان حاملینِ صکوک کا ہوتا ہے اور نقصان کے ذمہ دار بھی یہی ہوتے ہیں۔ اَسی کی دہائی میں روایتی بینکوں نے غیر سودی بینکاری کے عنوان سے نے ڈبینچرز کا نعم البدل، حصہ داری کے میعادی سر ٹیفکیٹس متعارف کروائے تھے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ان پر شدید تنقید کی اور انہیں سودی تمسکات کا چربہ قرار دیا۔ کونسل نے صدرِ پاکستان کو بینکوں کے اس غلط طریق کار سے بھی آگاہ کیا اور مکمل طور پر اپنے تجویز کردہ طریقے کو اپنانے کی تلقین کی۔(۲) دو دہائیاں قبل یہ خیال کیا جاتا تھا کہ طویل المدت منصوبہ جات کیلئے صرف شراکتی بنیادوں پر صکوک جاری کئے جاسکتے ہیں مگر عصرِ حاضر میں دَین پر منتج ہونے والے (اجارہ) موڈز میں بھی صکوک کی اجازت ممکن ہوئی ہے۔ اسلامی مالیاتی نظام میں دو طرح کے (متبدل اور مقررہ آمدن) طریق ہائے تمویل پائے جاتے ہیں اسی طرح صکوک بھی ہر دو طرح کے ہو سکتے ہیں اس لئے کہ صکوک کی بنیاد بھی انہی طریق ہائے تمویل پر ہے۔(۳) ہم ذیل میں ہر دو طرح کے صکوک کا تذکرہ مختصراً کر رہے ہیں۔

مضاربہ صکوک

۱۔ کسی بھی منصوبے میں فائنانسنگ اور عوام کی شراکت بڑھانے کیلئے مضاربہ کی بنیاد پر مضاربہ صکوک جاری کئے جاتے ہیں۔ جاری کرنے والا ادارہ مضارب جبکہ خریدار صکوک کی حد تک اور ان کے تناسب کی بقدر مطلوبہ منصوبے میں اثاثہ جات کا مالک ہوتا ہے ۔ منصوبے سے حاصل ہونے والا نفع انہی حاملینِ صکوک کو ملتا ہے اور نقصان کی صورت میں یہ خسارہ بھی برداشت کرتے ہیں اگر منافع اور مد محفوظ (Reserves) خسارے کو برداشت نہ کر سکیں۔

۲۔ مضاربہ صکوک کا معاہدہ پراسپکٹس کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ جس میں نفع کا تناسب سرمائے کی نوعیت سمیت دیگر امور کی وضاحت ضروری ہے۔

---

(1) Accounting & Organization for Islamic Financial Institutions, Behrain, 2008, p.307

(۲) دیکھئے اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ ۱۹۸۱۔۱۹۸۲، ص: ۲۲۰۔۲۲۴

(۳) محمد ایوب، اسلامی مالیات، رفاہ سنٹر آف اسلامک بزنس، رفاہ یونیورسٹی اسلام آباد، سیکشن ۱.۱۵، ص:۵۱۴

۳۔ حاملینِ صکوک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ثانوی بازار میں اپنے صکوک فروخت کر سکتے ہیں۔ صکوک کی قیمت کا تعین اس وقت کے کاروباری حالات پر ہو گا (اگر کاروبار میں منافع کا رجحان ہو تو صکوک کی قیمت بڑھ جائے گی، نقصان کی صورت میں کم ہو گی) مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ اس موقع پر ایک فقہی مسئلے کو بیان کرتے ہیں کہ اگر مضاربہ صکوک اپنی قیمت اسمیہ (Face value) سے زیادہ پر فروخت ہو تو یہ زیادہ قیمت منافع ہے جس میں صکوک ہولڈرز اور کمپنی (مضارب) دونوں شریک ہیں لہٰذا جو نسبت بھی منافع کی ان دونوں کے مابین طے ہے اسی نسبت سے یہ منافع تقسیم ہونا چاہئے اس کے بعد اصل رقم پر حامل صکوک کا حق ہے۔

۴۔ اگر مضاربہ سرمایہ نقد شکل میں ہو اور اس سے اثاثے تشکیل نہ پائے ہوں مثال کے طور پر کسی نئے پروجیکٹ کیلئے سرمایہ اکٹھا کیا گیا ہو اور اس سے عمارات، مشینری، فرنیچر وغیرہ وجود میں نہ آئے ہوں تو مضاربہ صکوک صرف فیس ویلیو پر تو بیچا جا سکتا ہے، کم یا زیادہ پر نہیں اس لئے کہ مضاربہ کا سرمایہ ابھی خالص نقدی کی شکل میں ہے اور نقدی کی بیع نقدی کے بدلے میں برابری کی بنیاد پر تو جائز ہے، اس کے علاوہ جائز نہیں [۱]

۵۔ مضاربہ صکوک کا انتظام کرنے والی کمپنی یا اسپیشل پرپز وھیکل (SPV) جو ساتھ اپنا سرمایہ بھی لگانا چاہے، تو اسے اس کی بھی اجازت ہے، اس مرحلے میں کمپنی کو مضاربت کا حصہ الگ اور رب المال (Financer) کا حصہ الگ ملے گا۔

۶۔ مضارب کے لئے جائز نہیں کہ وہ پراسپیکٹس میں صکوک ہولڈرز کو منافع کی رقم کی کوئی گارنٹی دے بلکہ منافع پہلے سے طے شدہ تناسب سے ہی ملے گا۔ مضارب کیلئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ یہ گارنٹی دے کہ صکوک ہولڈرز کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ ایک عرصہ قبل اردن میں مضاربہ سرٹیفکیٹس جاری کئے گئے جن سرٹیفکیٹ کی اصل رقم (Face value) کی ضمانت وہاں کے مرکزی بینک نے دی۔ مفتی محمد تقی عثمانی نے اس پر تنقید کی اور لکھا کہ یہ ضمانت کسی بھی طرح جائز نہیں۔ [۲]

مشارکہ صکوک

اسلامی طریق ہائے تمویل میں شراکت یا مشارکہ سے مراد فریقین کے مابین ایسا معاہدہ ہے جو ایجاب (Offer) اور قبول (Acceptance) کے ذریعے تکمیل پاتا ہے۔ جس میں فریقین اپنے اپنے حصے کا مال مشترکہ

---

(۱) مفتی محمد تقی عثمانی، بحوث القضایا الفقہیۃ المعاصرہ، وزارت الاوقاف، قطر، ص: ۲۱۷۔۲۲۰

(۲) ایضاً، ص: ۲۱۷۔۲۲۰

طور پر تجارت میں لگاتے ہیں تاکہ انہیں منافع ہو [۱] شراکت کی دو بنیادی اقسام شرکت مفاوضہ اور شرکت العنان ہیں ۔موخر الذکر شراکت کی قسم دور حاضر میں حصہ داری پر مبنی سرمایہ کاری کے لئے بہترین بنیادیں فراہم کرتی ہے اس لئے کہ اس کی شرائط نہایت لچکدار ہیں۔ طویل المیعاد اور بھاری مالیت کے منصوبوں میں مشارکہ نہایت مفید ہے جسے تمسکات(Securitization) کے اجرا کے ساتھ بآسانی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ حکومتیں اور تعمیراتی کمپنیاں: موٹر ویز، ائیر پورٹس کے قیام، خدمات فراہم کرنے والے افراد اور ادارے مثلاً ہسپتال، کالج، یونیورسٹیز، بینک اور مالیاتی ادارے: کارخانوں اور فیکٹریوں کے قیام کیلئے مشارکہ کی بنیاد پر صکوک جاری کئے جاسکتے ہیں۔ جس میں ہر سرمایہ کار کو ایک سرٹیفکیٹ دیا جائے گا جو مطلوبہ منصوبے میں مالیت کی حد تک اثاثہ جات کی نمائندگی کرے گا۔ یہ مشارکہ سرٹیفکیٹس قابل واپسی ہوں گے جنہیں بازاری قیمت پر دوبارہ حاملینِ صکوک سے خرید لیا جائے گا۔ اس لئے کہ اگر شرکاء کے مابین یہ شرط ہو کہ ایک خاص عرصے کے بعد شرکاء کی بڑی تعداد (صکوک ہولڈرز) اپنے حصص کو اپنے دیگر شرکاء (کمپنی) کے ہاتھوں فروخت کر دیں گے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ معروف ماہر معاشیات وشریعہ اسکالر محمد ایوب کے مطابق مشارکہ سرٹیفکیٹ اپنے ڈیزائن کے لحاظ سے مضاربہ صکوک سے بھی بہتر ہیں وہ اس طرح کہ مضاربہ صکوک میں صکوک جاری کرنے والی کمپنی یا فنڈ مینیجر کی حیثیت مضارب کی ہوتی ہے جو کہ صرف منافع کا حق دار ہوتا ہے، کاروباری خسارے کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوتی (البتہ منافع نہ ہونے کی صورت میں اس کی محنت ضائع جاسکتی ہے) جبکہ مشارکہ صکوک میں صکوک جاری کرنے والے ادارے اور صکوک ہولڈرز میں حصے اور ساجھے داری کا تعلق پایا جاتا ہے جس کی بناء پر وہ نفع کے ساتھ نقصان کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں۔[۲] لہٰذا نقصان میں شراکت کا ڈر کمپنی کے لئے سنجیدگی کے خطوط متعین کرتا ہے تو دوسری طرف اگر نقصان ہو تو متعدد شرکاء جب اس کو برداشت کرتے ہیں تو بڑے پیمانے پر پھیلاؤ کی وجہ سے اس کے اثرات کم ہو جاتے ہیں جن کا مقابلہ ہر سرمایہ کار بآسانی کر سکتا ہے۔

فرضی کیس اسٹڈی:

حکومت پنجاب اور وفاقی حکومت راولپنڈی اسلام آباد کے مابین میٹرو بس چلانے کا ارادہ رکھتی ہے جس کے لئے انہیں تعمیراتی کمپنیوں سے ٹینڈرز مطلوب ہیں۔ این۔ایل۔سی منصوبے میں اظہار دلچسپی رکھتی ہے لہٰذا اس نے

(۱) الزبیدی، ابوبکر بن علی بن محمد، الجوہرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری ، المطبعۃ الخیریہ، ۱۳۲۲ھ، ۱/۲۸۵، الشیخ احمد الدردیر، ابوالعباس احمد بن محمد الصاوی، الشرح الصغیر وحاشیۃ الصاوی ، دارالمعارف، ۳/۴۵۵

(۲) اسلامی مالیات، ص:۵۲۹

اپنے ماہرین کو تعینات کیا ہے کہ وہ اس منصوبے کی فزیبلیٹی رپورٹ تیار کریں۔ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ راولپنڈی پاکستان کا چوتھا بڑا شہر ہے جس میں ۲۱۰۰۰۰ گاڑیاں ۵۲۵۰۰۰ مسافروں کو شہر کے مختلف مقامات پر پہنچاتی ہیں جبکہ ۱۵۳۰۰۰ مسافر ایسے ہیں جن کیلئے مزید ٹرانسپورٹ درکار ہے۔

ماہرین کا محتاط تخمینہ ہے کہ اگر میٹرو کا قیام عمل میں لایا جائے تو ایک لاکھ کے لگ بھگ مسافر روز اس پر سفر کریں گے۔ این۔ایل۔سی اس رپورٹ کو بنیاد بناتے ہوئے میٹرو بس پراجیکٹ کی تعمیر کی پیشکش کرتی ہے۔ حکومت اس کے لئے ۴۴.۲۱ ارب روپے کا تخمینہ پیش کرتی ہے لیکن ماہرین کا اندازہ ہے کہ کل خرچ ۵۰ ارب سے بھی تجاوز کر جائے گا[۱] ، حکومت پاکستان فنڈز کی کمی کا شکار ہے اس لئے منصوبے کی مالیت کا صرف بیس فیصد (دس ارب روپے) فراہم کرتی ہے اور بقیہ اسی فیصد (چالیس ارب) کے بندوبست کے لئے ایک لاکھ کی مالیت کے چار لاکھ مشارکہ صکوک ۲۰ سال کی بنیادوں پر جاری کرتی ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ بیس سال کے بعد وہ انہیں مارکیٹ ویلیو پر صکوک ہولڈرز سے دوبارہ خرید لے گی اور اس دوران جو بھی منافع اس منصوبے سے حاصل ہو گا وہ حاملینِ صکوک میں ان کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔صکوک کا اجرا، نفع نقصان کی تقسیم اور صکوک کی خرید وفروخت ایس۔پی۔وی کے حوالے کی جاتی ہے جو کہ پرا سپیکٹس جاری کرتی ہے جس میں صکوک کی تعداد،مالیت،خرید وفروخت سمیت تمام معلومات درج ہوتی ہیں۔

ایس۔پی۔وی چار لاکھ صکوک فروخت کر کے اس کی رقم میٹرو بس اتھارٹی کو دیتی ہے جس سے منصوبے کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ حکومت پاکستان اس منصوبے کو پندرہ (۱۵) ماہ کی قلیل مدت میں مکمل کر لیتی ہے جس کے بعد سروس کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ حکومت پاکستان مسافروں کی سہولت کی خاطر پورے روٹ کا کرایہ ۲۰ روپے فی مسافر کے حساب سے طے کرتی ہے۔چار جون، جو کہ افتتاحی تاریخ ہے،سے لیکر بارہ جون تک آٹھ لاکھ مسافر میٹرو میں سفر کرتے ہیں۔[۲]

گویا ایک لاکھ مسافر روزانہ کی بنیادوں پر میٹرو سے مستفید ہوتے ہیں(لاہور میٹرو میں یہ تعداد سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایک لاکھ چالیس ہزار ہے[۳]) ماہانہ بنیادوں پر حساب کتاب کیا جاتا ہے۔ تمام اخراجات نکال دینے کے بعد جو رقم بچتی ہے اسے صکوک کی تعداد پر تقسیم کر کے منافع کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔اس سلسلے میں

---

(۱) Dawn,27 September,2014

(۲) The Patriot(daily news paper)12 june,2015

(۳) Iftikhar Ahmed,Is Metro Bus A Success Story,The Nation,23,January,2014

واضح رہے کہ حکومت پاکستان کا طے کردہ کرایہ فی مسافر ۲۰ روپے ہے جبکہ میٹرو بس جیسی سہولیات کے عوض اس کرایہ کی کم از کم مقدار قریب، درمیان اور دور کے سٹاپ یا اسٹیشنز کے لئے بالترتیب تیس، پچاس اور ساٹھ روپے ہو سکتی ہے لیکن یہ زائد رقم حکومت بذات خود سبسڈی کے ذریعے کَور کرتی ہے جو اس کی جانب سے عطیہ ہے تو عطیے کی اس رقم میں سے صکوک ہولڈرز کی شرح منافع اسی مہنگے کرائے کے حساب سے دی جانی چاہئے دوسرے لفظوں میں یہ کہ اگر حاملینِ صکوک کو ۲۰ روپے فی مسافر کے حساب سے نفع دیا گیا تو وہ بہت کم ہو گا اس لئے کہ حقیقی کرایہ ۶۰ روپے تک ہے لہٰذا انہیں اپنی سرمایہ کاری کے عوض ۶۰ روپے کے حساب سے ہی کرایہ ملنا چاہئے تاکہ اخراجات نکالنے کے بعد ایک مناسب رقم سرمایہ کاروں کو دی جاسکے۔ اس لئے کہ یہ ان کا حق ہے نہ کہ حکومت کی جانب سے عطیہ۔ البتہ حکومت مسافروں کا کرایہ بیس روپے طے کرے تو یہ اصل اور حقیقی خرچ (۶۰ روپے) سے کم (۲۰ روپے) وصول کرنا یہ حکومت کی جانب سے مسافروں کے لئے عطیہ ہے۔

عملی مثال:

سوڈان میں بینک آف خرطوم، وزارت خزانہ اور مرکزی بینک سمیت سرکاری شعبوں کے دیگر بینکوں نے بھی مشارکہ کی بنیاد پر صکوک جاری کئے۔ سنٹرل بینک مشارکہ سرٹیفکیٹ (CMCs) یا گورنمنٹ مشارکہ سرٹیفکیٹ (GMCs) ۱۹۹۸ میں سرمایہ کاروں کو جاری کئے گئے جنہیں مرکزی بینک نے اوپن مارکیٹ آپریشن [(۱)] اور زری انتظام کیلئے ٹریژی بلز [(۲)] اور دیگر سودی تمسکات کے متبادل کے طور پر استعمال کیا [(۳)]۔

مشارکہ کی بنیادوں پر تمسکات کے ذریعے وجود میں لائے گئے اثاثہ جات لیز پر دیئے جاسکتے ہیں جن سے خاطر خواہ نفع کی توقع ہے۔ یوں وہ ڈبینچرز، جو سالانہ بنیادوں پر سود کا ذریعہ تھا یا پرائز بانڈ جس میں پانچ فیصد کو بھاری نفع کی توقع جبکہ ۹۵٪ کو محرومی کا ڈر تھا، لاٹری جس میں اصل رقم کے ڈوب جانے کی بھی دہشت تھی، کا بہترین متبادل اسلامی بنیادوں پر مل سکتا ہے جس میں ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ بنیادوں پر نفع کی بھی توقع ہے اور اکثریت

---

(۱) زَر کو کنٹرول کرنے کے لئے حکومتی اقدام جس میں تمسکات (Securities) کو خریدا یا فروخت کیا جاتا ہے۔ اگر حکومت زَر کا پھیلاو چاہتی ہو تو تمسکات خرید لیتی ہے جس سے تمسکات حکومت جب کہ پیسہ عوام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جبکہ زَر کے پھیلاو کو کم کرنے کے لئے تمسکات فروخت کر دیتی ہے جس سے تمسکات عوام جبکہ پیسہ حکومت کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔

(۲) امریکی حکومت کی جانب سے فراہم کردہ مختصر المیعاد قرضے کی دستاویز جس میں سرمایہ کار رعایتی نرخ پر یہ دستاویز خریدتا ہے اور میعادِ پختگی پر اسے زیادہ رقم ادا کی جاتی ہے۔ خرید اور فروخت کی درمیانی مدت کے عوض اضافہ سود ہوتا ہے۔

(۳) ایضا

کے محروم ہونے کا عدمِ خوف بھی بلکہ سرمایہ کاری کے اس بندوبست میں تعاون علی البر کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے کہ کوئی بھی سرمایہ کار اپنے سرمایہ سے محروم نہیں رہتا۔ اسلام نے اسی اخوت کا مودت اور محبت کی حد تک درس دیا ہے جس میں دنیوی فلاح بھی ہے اور اخروی نجات بھی۔ پھر اس بندوبست کو کیوں نہ اختیار کیا جائے جس میں اتنی خوبیاں ہوں اور اس نظام کو کیوں نہ ترک جائے جو مفاسد سے بھرپور ہو۔

❁ ❁ ❁